قرآنِ حکیم اور علمی نظریات

محمد آفاق صدیقی جامعہ کالج جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی .

قرآنِ حکیم ایک الہامی کتاب ہے اور اس طرح متعدد کتابیں اس سے قبل مختلف قوموں کے لئے مختلف زمانوں میں آچکی ہیں ، اور جس رسول کے ذریعے یہ کتاب عربوں تک پہنچائی گئی ہے اس سے قبل تقریباً ہر قوم اور ہر خطّہ میں اسی کی طرح کے رسول بھی آچکے ہیں ، قرآن حکیم دنیا کی تمام مذہبی کتابوں اور صحیفوں میں وہ واحد کتاب ہے جو ماضیٔ بعید سے اپنا رشتہ جوڑے ہوئے ہے اور حق و صداقت کے ہر مظہر کی تصدیق کرتا ہے یہ اس طرح کی تصدیق ہمیں اور کسی کتاب میں نہیں ملتی اس کتاب کی دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ عہدنامہ ، قدیم گیتا ، رامائن یا مہابھارت کی طرح کسی محرّر یا کاتب کی یادداشت یا زورِ قلم کا ثمرہ نہیں ہے ، ابتدا تا انتہا پورا قرآن دفتین کے درمیان سمجھا جاتا ہے یہاں تک کہ جس آدمی نے اسے ہم تک پہنچایا ہے اس کی جانب سے ایک حرف بھی اس میں شامل نہیں کیا گیا ہے . اس کی صداقت کے لئے محمد رسول اللہ صلعم کی چالیس سالہ زندگی کی وہ دیانت داری کافی ہے جس نے انہیں "امین" کے لقب سے عرب معاشرہ میں ممتاز کیا تھا ، جو انسانی معاملات میں دیانت داری اور امانت داری کے اس اعلیٰ مقام پر فائز ہو تو اللہ کے معاملات میں اس کی دیانت کیسے مشکوک ہو سکتی ہے .

قرآن کا بحیثیت "کلام اللہ" تسلیم کیا جانا رسول اللہ کی چالیس سالہ زندگی کے ہر قسم کی بددیانتی سے پاک ہونے پر ہی منحصر تھا اور آج بھی ہے۔

رسول اللہ کی حیات میں قرآن کریم پر جو بھی الزام لگائے جاتے تھے، ان کا جواب، قرآن میں موجود ہے بعد ازاں علمائے امت پر یہ واجب ہوا کہ قرآن کی حرمت اور اس کے وقار کو برقرار رکھنے کے لئے اس پر لگائے گئے الزامات کا منہ توڑ جواب دیں میرے اس قول کی تائید میں تاریخ سے بیشمار شواہد مل سکتے ہیں جس میں خلقِ قرآن کا مسئلہ اور اس سلسلہ میں علمائے وقت کے ردّ عمل سے غالباً ہر پڑھا لکھا مسلمان واقف ہے اس مضمون میں قرآن اور علم جدید سے متعلق مسائل زیر بحث ہوں گے، اس لئے چند باتوں کا ذکر ضروری ہے:۔

(۱) قرآن کا یہ دعویٰ کہ وہ انسان کی زندگی کے ہر گوشۂ عملی، نظری اور فکری کیلئے راہنما ہے اور یہ راہنمائی ہر زماں اور ہر مکاں میں معتبر اور سچی ہے،

(۲) انجیل مقدس میں اس طرح کا اگرچہ کوئی دعویٰ نہیں ہے لیکن عملی، نظری اور فکری پہلوؤں پر واضح گفتگو ملتی ہے،

(۳) قرآن کا ترجمہ و تفسیر کو کبھی کفر یا گمراہی نہیں سمجھا گیا جبکہ انجیل کے لفظی معنیٰ کو ہی آخری معنیٰ تسلیم کرنے پر راہبوں اور انجیل کے عالموں نے زور دیا تھا،

(۴) انجیل کے کسی بیان کے غلط ثابت ہونے سے خدا اور مسیح پر براہ راست کوئی الزام عائد نہیں ہوتا جبکہ قرآن کے سلسلہ میں یہ بات نہیں کہی جا سکتی، لیکن پھر بھی انجیل کو منطق فلسفہ اور سائنس کے اصولوں سے متصادم ہوتا ہوا دیکھ کر انجیل کو حرف آخر نہ ماننے والوں کو شدید ایذائیں دی گئیں اور بعض حالات میں انہیں موت کی سزا تک دیدی گئی،

نتیجہ کے طور پر راہبوں اور عالموں کے درمیان جنگ چھڑ گئی فلاسفہ اور علوم جدیدہ کے ماہرین نے انجیل کے جبری احترام کو ماننے سے انکار کر دیا، جان لاک JOHN. LOCKE. (۱۷۰۴ء، ۱۶۳۲ء) جو ابتداء میں ایک پادری تھا جب اس سے اس کے ایک دوست نے یہ

سوال کیا کہ تم نے یہ کیسے جانا کہ یہ کلام الٰہی ہے تو جان لاک نے پہلی مرتبہ اس طرح کا سوال سن کر جواب دینے کی جو کوشش شروع کی تو خاموشی کے سوا اس سے کچھ نہ بن آیا۔ اس کے بعد لاک نے بائبل پڑھنے کے بجائے یہ سوچنا شروع کیا کہ ہم کسی چیز کو کس طرح جانتے ہیں، اس کی اس محنت کا نتیجہ ہمارے سامنے اس کی وہ تصانیف ہیں جو ہمارے یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہیں، کہ ہم کو کسی چیز کا علم کیسے ہوتا ہے۔ اور اس کا عقیدہ یہ تھا کہ دماغ لوح بے نقش ہوتا ہے۔ اس پر جو بھی، نقش بنتے ہیں، وہ اس کے ماحول کی قوت مؤثرہ کی وجہ سے بنتے ہیں، ماں کے پیٹ سے کوئی کچھ سیکھ کر یا جان کر نہیں آتا، اُس کے اس نظریہ نے تعلیم و تدریس کے میدان میں بڑی نمایاں تبدیلیاں پیدا کیں، سترھویں صدی کی ابتدا سے انیسویں صدی کے نصف تک انجیل پر مختلف انداز سے تنقید ہوتی رہی اور انجیل کے ماننے والوں میں سے ہی انجیل کے بڑے بڑے ناقد پیدا ہوئے اور یہ ثابت ہو گیا کہ انجیل میں انسان اور عالم کی تخلیق سے متعلق جو کچھ لکھا گیا ہے وہ ایک افسانہ سے زیادہ اور کچھ نہیں ہے،

ڈارون کی تحقیقات اس سلسلے کی سب سے پہلی اور اہم کڑیاں ہیں جو براہ راست انجیل کے اقوال سے متصادم ہوئیں بعد ازاں ولیم جیمز اور فرائیڈ کے نفسیاتی تجربوں اور نظریات نے عہدِ نو کے مذہب پرستوں کے ایمانی قصر ڈھا دیے ایسے لوگ بہت کم تھے جنھوں نے صرف جھٹکے محسوس کئے اور پھر اپنی جگہ قائم رہ گئے،

اب انجیل اور سائنس کا کوئی موازنہ نہیں کیا جاتا، انجیل کو گرجا گھر کی چہار دیواری تک محدود کر دیا گیا ہے، اور زندگی کے کسی شعبہ میں اس کو اب کوئی دخل حاصل نہیں رہا ہے۔ اس کے برعکس سائنس اور ٹکنالوجی مغربی زندگی کا احاطہ کئے ہوئے ہیں،

---

1. An. Essay Concorning. Haman. Undarstamding. 2. Conduek. oy Lte Undarstaud-ing-

قرآن حکیم کا معاملہ بالکل اس کے برعکس ہے، مامون اور ہارون کے دور میں یونانی فلسفہ کا اثر عرب عالموں پر مرتب ہونا شروع ہوا، تو قرآن کے جواب میں قرآن لکھنے کی قسم کھائی گئی ہو وہ صرف اس لئے تاکہ یہ ثابت کیا جا سکے کہ قرآن الہامی کتاب نہیں ہے، تاریخ شاہد ہے کہ مقابل کو منھ کی کھانی پڑی، لسانی اعجاز کا دعوئے قرآنی آج بھی قائم ہے، اور مقابل ناپید ہے۔

ولیم جیمز اور فرائیڈ کے نظریات سامنے آئے تو پھر قرآن سے جواب طلب کیا گیا، قرآن نے یونانی فلسفہ کی پسپائی کا منظر پھر دہرا دیا اور تمام جدید ترین نفسیاتی نظریات کا قرآن نے مکمل جواب دیا، یہ سوال کیا جا سکتا ہے اور کیا جا رہا ہے، کہ آخر قرآن سے ان نظریات کی تصدیق یا تکذیب کیوں طلب کی جاتی ہے؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ مذہب کی دنیا میں قرآن کی طرح اب کوئی زندہ کتاب باقی نہیں ہے، اس وجہ سے بات قرآن تک آپہنچی ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ قرآن حکیم نے تدبر، تفقہ، اور تفکر کی جتنی دعوتیں دی ہیں، دنیا کی کسی دوسری مذہبی کتاب میں نہیں ملتی، قرآن اگرچہ نہ تو نفسیات کی کوئی کتاب ہے، اور نہ سائنس کی لیکن انسان کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات ہونے کی وجہ سے وہ اپنے اندر بقا اور فنا کے بنیادی حقائق سموئے ہوئے ہے، اور ہر مسلمان کا یہی ایمان بھی ہے، قرآن کی روشنی علم وعمل کے ہر گوشہ کو یکساں منور کرتی رہی ہے۔ قرآن کی زندگی کے چودہ سو سال اس کی اس صلاحیت کو ہر دور میں ثابت کر چکے ہیں یہی ایک ایسا یقین ہے جو زندگی کے تمام اہم مراحل پر آکر ہمیں قرآن سے رجوع کرنے پر مجبور کر دیتا ہے، اور جب اس سے تسلی بخش جواب مل جاتا ہے تو ایمان کو تقویت پہنچتی ہے، اور قلب مطمئن ہو جاتا ہے، مولانا ابوالکلام آزاد نے ترجمان القرآن کے مقدمہ میں اس رجحان کو غلط قرار دیا ہے اور ایسے مفسرین کو زیادہ وقعت نہیں دی ہے جو قرآن کی عبارتوں کا جدید سائنسی انکشافات کی روشنی میں مفہوم تلاش کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایسی تفسیروں کو تفسیر بالرائے کہا گیا ہے

وہ لکھتے ہیں! آجکل ہندوستان اور مصر کے بعض دانش فروشوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ زمانۂ حال کے اصول علم و ترقی قرآن سے ثابت کئے جائیں یا بقول ان کے فلسفہ و سائنس اس کی ہر آیت میں بھر دیا جائے، گویا قرآن صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ جو بات کو "پرنیکس" اور نیوٹن نے یا ڈارون اور ویلز نے بغیر کسی الہامی کتاب کی فلسفہ اندیشیوں کے دریافت کرلی، اسے چند صدی پہلے معموں اور بجھارتوں کی طرح دنیا کے کان میں پھونک دے اور وہ صدیوں تک دنیا کی سمجھ میں نہ آئیں، یہاں تک کہ موجودہ زمانے کے مفسر پیدا ہوں اور وہ ان معموں کا حل پیش کریں،

لیکن لطف کی بات یہ ہے کہ خود مولانا ابوالکلام آزاد سورۃ المومنون کی آیات ۱۲، ۱۵ کی تفسیر میں ان تمام علمی تحقیقات کا ذکر کرتے ہیں جو سترھویں اور اٹھارھویں صدی میں علم الجنین کے یورپی ماہرین نے کی تھیں اور ان کو قرآنی عبارت کے عین مطابق پاکر ایمانی مسرت کا اظہار کرتے ہیں، مولانا کے الفاظ یہ ہیں!

نظریوں کی شب کوری کی جگہ انکشاف و مشاہدہ کی صبح نمودار ہوگئی ہر نگاہ دیکھ سکتی ہے کہ قرآن کو اپنی جگہ سے ہلنے کی ضرورت نہ تھی، یہ علم کا نقص تھا کہ صحیح جگہ نہ پاسکا آخر اسے اپنی جگہ چھوڑنی پڑی اور وہیں آگیا جہاں تیرہ صدیوں سے قرآن کی صداقت جمی کھڑی ہے، لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ تَنْزِيلٌ مِنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ۝ (ترجمان القرآن جلد دوئم)

بعض لوگ یہ سوال کر بیٹھتے ہیں کہ اگر کبھی ایسا ہوا کہ سائنسی نظریہ اور قرآنی نظریہ میں تصادم ہوا تو کیا قرآن کو غلط مان لیا جائے گا؟ چونکہ ایسی صورت حال امکان سے خارج نہیں ہے اس لئے محفوظ محتاط اور بعض لوگوں کی نظر میں منصفانہ طریقہ یہ ہے، کہ سائنس کے اصول اور نظریات کی قرآن سے مطابقت بالکل نہ ڈھونڈی جائے اس لئے کہ انہیں لاجواب ہوجانے کا اندیشہ لگا رہتا ہے، وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ تقریباً ڈیڑھ ہزار سال سے قرآن

نہ جانے اس طرح کی کتنی آزمائشوں سے گذر چکا ہے، اور آج بھی اس کا اعجاز قائم ہے جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نفس قرآنی سے عملی نظریات کی تصدیق یا تکذیب نہیں کرنی چاہیئے، کیونکہ ان کے نزدیک قرآن کا اصل مقصود اخلاقی طور سے انسان کو بلند و برتر بنانا ہے اور عملی نظریات تو آئے دن بدلتے رہتے ہیں، لیکن وہ بھول جاتے ہیں کہ آدمی اپنے گرد و پیش سے کبھی بے نیاز نہیں رہ سکتا اور نہ تو ماحول کے تقاضوں کو نظر انداز کر سکتا ہے[1]، رسول کریم کی پوری زندگی اس بات کا ثبوت ہے کہ ماحول کو چاہے وہ سماجی ہو یا جغرافیائی اس کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے معاشرے کی نہ تو اصلاح ممکن ہے، اور نہ ترقی، آج کا آدمی بھی پہلے یہ جان لیتا ہے، کہ وقت کے تقاضے کیا ہیں، اور پھر بعد کو یہ جاننے کی کوشش کرتا ہے، کہ مذاہب کے تقاضے کیا ہیں، جب وہ وقت کے تقاضوں کو پورا کرنے سے قاصر ہوتا ہے، تو خود کو بدنصیب قرار دے کر مایوسی اور نامرادی کا شکار ہو جاتا ہے اور جب وہ مذہب کے تقاضوں کو پورا کرنے میں خود کو ناکام سمجھتا ہے تو مذہب کو بے معنیٰ، قرار دے کر اس سے چھٹکارا حاصل کر لیتا ہے، یا پھر اس کی جگہ کوئی نیا فلسفہ جو وقت کے تقاضوں سے متصادم نہ ہوتا ہو اختیار کر لیتا ہے، ایسے مذاہب جو رفتار زمانہ کا ساتھ نہیں دے پاتے وہ فلسفہ سے شکست کھا کر گرد راہ میں گم ہو جاتے ہیں، لیکن قرآن اپنے ماننے والوں کے اعتماد اور ایمان کو کبھی ضرب نہیں پہنچنے دیتا،

قرآن نے غور و فکر کی جو دعوتیں دی ہیں وہ اس قدر وسیع مفہوم کی حامل ہیں، کہ اگر پڑھنے والا

MAN S MID IN ALL ITS MAUIFOLD OSP EETS IS
FRMED GY UTE TRADITION WHIH HE IS BORN.
AUD BRED HE CAN NOT STAND OFE AS A DISINH-
-ERITOR IUPATIAL SPEEFALOR. WWHAL HATPEWS AROUND HE
HUTEHISJR RELIGIU FAITTE EXI STEUA. (N.Y. (9)

والا کسی چیز کا بھی مطالعہ کرے گا تو وہ انہیں دعوتوں کی حدود میں رہے گا، کائنات کی ہر چیز، "آیات اللہ" کے حکم میں داخل ہے، لہٰذا ہر شئی کا مطالعہ اللہ تعالیٰ کی نشانی کا مطالعہ ہے، ع

مذاقِ سیر و نظر کو کچھ اور وسعت دے،

کہ ذرہ ذرہ میں ہے اک جہانِ نامشہود،

لہٰذا مالیکول Molecule سے لے کر سیاروں کے مطالعہ تک سب آیات اللہ کے مطالعہ میں شامل ہیں، قرآن کو طبیعات کی درسی کتاب کوئی نہیں سمجھتا لیکن اس سے سراسر انکار بھی نہیں کیا جاتا کہ قرآن طبیعاتی او فلکیاتی اسرار و رموز سے مالامال ہے۔ دیدۂ بینا اور اولی الابصار کے سامنے یہ رموز آشکارا ہوتے رہتے ہیں اور اضطرابِ قلب کو طمانیت بخشتے رہتے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پروردگار عالم سے یہ درخواست کی تھی کہ میں دیکھنا چاہتا ہوں کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے تو سوال کیا گیا کہ کیا ایمان نہیں رکھتے ہو تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ اطمینانِ قلب کے لئے دیکھنا چاہتا ہوں وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ (القرآن ۲:۲)

اس سے یہ صاف ظاہر ہو گیا کہ اطمینانِ قلب کے لئے قرآن سے بھی سوال کرنا بالکل درست ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تو خدا سے سوال کیا اور انہیں جواب بھی ملا، وہ اضطراب کی صورت آج بھی ہر ایمان والے کیلئے باقی ہے۔ مگر طمانیتِ قلب کے لئے خدا سے تو سوال نہیں کیا جا سکتا ہے مگر کتابِ خدا سے تو ضرور پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ سلسلہ مدتِ دراز سے جاری ہے، اور قرآن کریم برابر طمانیت بخشتا رہتا ہے اور اس طرح متزلزل قصرِ ایمانی پھر اپنی بنیاد پر سیدھا ٹھہر جاتا ہے۔ وہ لوگ جو علوم جدیدہ کی روشنی میں قرآنی آیات کے نئے نئے معانی تلاش کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی نظر میں قرآن کی غلط ترجمانی کر رہے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ اگر سائنس کے اصولوں پر قرآن کھرا نہیں اترتا تو اس میں کھوٹ سمجھا جائے گا، اور خدا کے وجود کی تکذیب ہو جائے گی، لہٰذا اپنے خدا کو شکست سے محفوظ رکھنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ اس

کے اقوال کو سائنس کے نظریات سے متصادم نہ ہونے دیا جائے اور اس غرض سے اُسے اس کے مقابل ہی نہیں لانا چاہیے۔

میری نظر میں یہ خیال سراسر بے بنیاد ہے۔ جیسا کہ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ قرآن کی صداقت نبی کی صداقت کی بنا پر قائم ہے تاریخ، سوانح، اور نفسیات کے مطالعہ کے لئے جو نئے اصول بن رہے ہیں وہ سب سیرت رسول کے مطالعہ پر یکساں طور پر نافذ کئے جا رہے ہیں تمام علمی نظریات سے دنیا کے مختلف حصوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے ہر ہر گوشہ کا تجزیہ کیا جا رہا ہے۔ تاکہ یہ معلوم ہوسکے کہ اس کی عظمت کا اصل راز کیا ہے سیرت رسول پر الزام تراشیوں کا رجحان تو اب ختم ہو چکا ہے جس کی بڑی وجہ سوانح نگاری کے جدید اصولوں کا احترام ہے۔ یہ اصول انہیں لوگوں نے بنائے ہیں جو اسلام کو کمزور ہوتا ہوا دیکھ کر خوش ہوتے یا رسول کو غیر معتبر ثابت ہوا جان کر مسرور ہوتے۔ لیکن انہیں کی جماعت سے ایسے سوانح مرتب ہو کر سامنے آئے جو ان کی آرزوؤں کو خاک میں ملا گئے۔

اس طرح جب بھی محمد رسول اللہ کی عظمت کا اعتراف کیا جاتا ہے تو قرآن حکیم پر ایمان رکھنے والوں کے دلوں کو وہی طمانیت قلبی حاصل ہوتی ہے جو حضرت ابراہیم کو ملی تھی، اور، جب قرآن کا اعجاز اس کی صداقت اور اس کے پیغام کی لازمانیت کو تسلیم کیا جاتا ہے، تو محمد عربی کی عظمت اور مومن کے دل میں ان کی محبت اور بڑھ جاتی ہے۔ رسول اللہ کی یہی محبت ہے جو مومن کو ہر دور میں علوم اور نظریات کے ہر چیلنج کو قبول کرنے پر آمادہ کرتی رہی ہے اپنے محبوب کا دفاع کرنا انسان کی فطرت کا ایک بنیادی اصول ہے اس دفاع میں جان و دل تک کی بازی لگا دی جاتی ہے۔

قرآن اور رسول کا تعلق طبیب اور دوا کا تعلق نہیں ہے کہ ایک دوسرے کی نہ تو خوبی سے متاثر ہوتا ہے نہ خرابی سے، اور دوا اپنا عمل ضرور کرتی ہے چاہے طبیب کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ اسی طرح قرآن کا رسول سے تعلق شاعر اور کلام شاعر جیسا بھی نہیں ہے، کہ چاہے

شاعر کتنا ہی غیر معتبر اور بد اعمال کیوں نہ ہو اس کا کلام ان برائیوں سے پاک ہو سکتا ہے اور مؤثر بھی ہو سکتا ہے اس طرح کی کوئی نسبت قرآن اور رسول کے درمیان نہیں پائی جاتی رسول اللہ خود کو قرآن کے تابع سمجھتے تھے، اور اسی اعتبار سے ان کی زندگی کا صحیح مطالعہ قرآن کی روشنی میں ہی ممکن ہے، اور قرآن چونکہ انہیں کے حوالے سے تیئیس برس میں ہم تک پہنچا ہے اس لئے قرآن کا صحیح مطالعہ بھی ان کی سوانح کی روشنی کے بغیر ممکن نہیں ہے "کتاب مبین" اور رسول امین ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہیں۔

اب اس تفصیلی بحث کے بعد میں اصل مضمون کی جانب رجوع کرتا ہوں ہفتہ وار ٹائم کے ۳۰ جون ۸۰ء کے شمارہ میں چند تصویریں شائع ہوئی ہیں جو جاپان کی توہو یونیورسٹی کے پروفیسر ہولوکیو کی حیاشی نے مسلسل دو سال کی محنت اور ۵۵ ہزار ڈالر خرچ کرنے کے بعد حاصل کی ہیں یہ تصویریں رحم مادر میں قرار حمل کی تیاری سے انسانی صورت بن جانے تک کے مراحل کو اتنے واضح طور پر پیش کرتی ہیں، کہ دیکھتے ہی منھ سے فَتَبَارَكَ اللّٰهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ، نکل پڑتا ہے

ڈاروِن کے نظریۂ ارتقاء اور قرآن کی عبارتوں سے اس کی تصدیق بہت سے صاحب نظر کر چکے ہیں، لیکن اس میں بنیادی مسئلہ ہبوط آدم اور گناہ آدم کے تصور کا تھا، یہ مسئلہ اس لئے پیدا ہوا تھا کہ بائبل کی رو سے ڈاروِن کی تحقیقات محض افسانہ تھیں، اور ڈاروِن اور اس کے حامیوں کی نظر میں بائبل میں پیش کیا گیا تصور کائنات اور تصور آدمی دونوں علمی اعتبار سے ایک کہانی سے زیادہ اہمیت کے حامل نہ تھے، عیسائیت نے شکست کے بعد علوم جدیدہ سے صلح و مصالحت کی یہاں تک کوشش کی کہ قدیم آدم کی تصویروں سے یہ بات ثابت کرنی چاہی کہ آدم اپنی نسل کا پہلا فرد نہیں ہے کیونکہ اس کی تصویروں میں اس کی ناف کا نشان بخوبی واضح ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ کسی کے شکم سے پیدا ہوا ہے، کُن فیکون والی بات صحیح نہیں ہے، عالم عیسائیت نے ڈاروِن کے نظریہ نے جو تہلکہ مچا رکھا تھا اس سے عالم اسلام بھی متاثر ہوئے بغیر کیسے رہ سکتا تھا ماحول میں کسی طرح کا تغیر انسانی جسم اور ذہن

دونوں کو متاثر کرتا ہے۔ اس کلیہ کے تحت جب اسلامی ذہن اس نظریہ کے مقابل آیا۔ تو قرآن سے جواب طلب کیا گیا، چونکہ قرآن میں بھی آدم اور حوا کا ذکر بائبل سے تھوڑی سی مماثلت رکھتا ہے۔ اس لئے فوراً یہ گمان گذرا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح مغرب میں بائبل کو گرجا گھر کے قید خانوں میں رکھدیا گیا ہے۔ اسی طرح قرآن کو مسجد کی چہار دیواریوں تک نہ محدود کرنا پڑے۔ لہذا قرآن کا اس غرض سے مطالعہ شروع کیا گیا اور جب یہ بات دونوں کی حد کو پہنچ گئی کہ بائبل کا آدم اور قرآن کا آدم ایک دوسرے سے مختلف ہیں تو میدان تحریر و تقریر میں اللہ اکبر کی صدائیں گونج اٹھیں قرآن کا آدم بائبل کی آدم کی طرح نہ گنہگار رہے اور نہ جنت سے نکالا ہوا ہے۔ وہ تو صفی اللہ ہے خلیفۃ فی الارض ہے۔ اور مرد مومن ہے اس کے برعکس نہ تو وہ پہلا انسان ہے اور نہ پہلا مجرم بلکہ نسل انسانی میں سب سے پہلا، محرم راز درون میخانہ ہے۔ اور پروردگار عالم کا جو کہ استاذ ازل ہے سب سے پہلا، شاگرد ہے جس نے اپنے معلم کے دعوی بزم ملکوتی میں صحیح ثابت کر دکھایا ہے[1] یہ ہے آدم قرآنی بائبل اور قرآن کے تقابلی مطالعہ نے قرآن سے متعلق اندیشوں کو دور کر دیا۔ اور قرآن مسجدوں اور خانقاہوں میں قید ہونے سے بچ گیا، وقت اور حالات کی قید و بند سے آزاد ہونے کی قرآن کریم میں جو صلاحیت ہے وہ ساری دنیا پر نمایاں ہوتی رہی ہے مسلمانوں میں سے جب بھی کسی جماعت یا فرد نے قرآن کے مقابلہ میں کسی اور فلسفہ یا نظریہ کو نصب العین قرار دیا ہے تو اسے جلد یا بدیر شکست ضرور کھانی پڑی ہے۔ اس صدی میں مارکسزم کے زوال نے یہ بات پھر دہرا دی ہے۔ علم کبھی نہ رکنے والے تجربات کے سلسلہ کا نام ہے اسی لئے یقین ہمیشہ علوم کی حدود سے نکل جانے پر ہی نصیب ہوتا ہے[2] علم اور یقین کے درمیان جو فاصلہ ہے۔ اس کو برقرار

---

[1] وعلم آدم الاسماء کلها (۳۱) فلما انبأهم باسمائهم (۳۳) (القرآن سورۂ بقرہ)

HUTELI SOK : RALIGIM · FAITHE OZRISHEUEL [2]

رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے جس طرح رات اور دن ایک دوسرے کو پکڑنے کی کوشش میں غیر متعینہ مدت سے لگے ہوئے ہیں اور ان کی ناکامی پر ہی نظام کائنات باقی ہے، اسی طرح علم ویقین کی دوڑ جاری ہے جب علم آگے بڑھتا ہے تو یقین بھی آگے بڑھتا ہے اگر یقین اپنی جگہ رک جائے تو وہ علم کی ضرب سے نہ بچ سکے گا اور نتیجہ یہ ہوگا کہ نہ علم ہوگا نہ یقین، اسی طرح اگر رات اور دن ایک دوسرے کو پکڑ لیں تو نظام کائنات ہی فنا ہو جائے گا لہٰذا یہ جاننے کے لئے کہ علم ویقین میں جو فرق تھا وہ اب بھی باقی ہے یا نہیں فہم وادراک دونوں سے مدد لینی چاہیئے اور گرد وپیش کو نظر انداز کرکے کوئی فیصلہ نہیں کرنا چاہیئے جس طرح علم صحیح سے صحیح تر کی جانب گامزن ہے اسی طرح ایمان ویقین کو بھی پختہ سے پختہ تر کی جانب رواں رہنا چاہئے، ایمان کی تازگی کے لئے علوم کی تازگی بھی ضروری ہے۔

اب میں اس اندیشہ کو دور کر دینا چاہوں گا جو کچھ لوگوں کے دلوں میں اسوقت پیدا ہوتا ہے جب قرآن اور علوم جدیدہ کے مقابلے کی بات سامنے آتی ہے یہ بات قطعی ضروری نہیں ہے کہ تمام علمی نظریات یا مشاہدات کی قرآن تصدیق یا تکذیب کرے، لیکن زندگی کے جو بنیادی حقائق ہیں جب ان پر کوئی آنچ آتی ہے تو قرآن پر تکیہ کرنے والا ضرور بے چین ہوتا ہے، وہ نظریات سے انکار کر سکتا ہے مگر مشاہدہ سے منھ نہیں پھیر سکتا مولانا آزاد نے اسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ہے کہ "انکشاف اور مشاہدہ کی صبح نمودار ہو چکی ہے" اسی صبح کی روشنی میں پروفیسر موتو یوکی حیاشی نے جس کا ذکر اوپر کر چکا ہوں، شکم مادر سے براہ راست CULDOSCOPE کلدواسکوپ کے ذریعہ حیات کی ان تمام منازل کی تصویریں حاصل کرلی ہیں جو انسانی نظر سے آج تک پوشیدہ تھیں۔ ان تصویروں کو دیکھ کر سورۃ المومنون کی ۱۲، ۱۴ آیتوں کو پڑھئے، تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان آیات کے مفہوم کو ان تصاویر میں حرف بحرف لکھا جا سکتا ہے، انہیں دوسرے الفاظ میں مصور قرآنی عبارت بھی کہا جا سکتا ہے مذکورہ آیات درج ذیل ہیں:۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِّن طِينٍ ۝ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَّكِينٍ ۝ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظَامًا فَكَسَوْنَا الْعِظَامَ لَحْمًا فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ

(سورۃ المومنون القرآن)

اور یہ واقعہ ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی کے خلاصہ سے پیدا کیا،

پھر ہم نے اسے نطفہ بنایا ایک ٹھہر جانے اور جماد پانے کی جگہ میں،

پھر نطفہ کو ہم نے علقہ بنایا

پھر علقہ کو گوشت کا ٹکڑا سا کر دیا،

پھر اس میں ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا دیا،

پھر ڈھانچہ پر گوشت کی تہہ چڑھا دی،

اور پھر ہم نے اسے دوسری تخلیق میں پیدا کر دیا،

تو کیا ہی برکتوں والی اللہ کی ذات ہے جو خالقوں میں احسن خالق ہے،

سورۃ المومنون آیات ۱۲ تا ۱۴ (القرآن)

——— ان آیات میں حیات کو جن منازل سے گذارا گیا ہے وہ اب ہر نظر کے مشاہدہ کے لئے موجود ہے۔ مولانا آزاد نے اصولِ علم و ترقی کو قرآن سے ثابت کرنے والوں کو دانش فروشوں کا خطاب دیا ہے ان کا یہ قول میرے نزدیک یقیناً سوال طلب ہے، میں اس موقف کو درست نہیں سمجھتا اس کی کچھ وجوہات پیش کر چکا ہوں اور کچھ آگے پیش کروں گا۔ مشاہدہ سے پہلے قرآن میں جو کچھ انسان کی تخلیق سے متعلق ملتا تھا وہ یقین تھا علم نہیں وہی یقین اب علم ہو چکا ہے لہٰذا یقین کو اس سے آگے جانا ہوگا، سائنس کے نصاب عمل میں صرف اشیاء کے موجود و معدوم یا متغیر ہونے کے اسباب کا پتہ لگانا داخل ہے اس تنگ دور میں عقل انسانی نے سب کچھ جان لینے کی صلاحیتوں کا دعویٰ کر کے

خلا میں اپنے پر پھیلائے اور قابل شمار سے ناقابل شمار کی جانب پرواز کرتی گئی، حتیٰ کہ تھک ہار کر اپنے مرکز کو واپس آگئی اور رب العالمین کے عجائب خانہ کے مکمل مشاہدہ کی صلاحیت سے محروم ہونے کا اعتراف کرکے پھر "آموختہ" دہرانا شروع کر دیا ہے، اور جو کچھ کر گذری ہے اس کا محاسبہ کر رہی ہے۔

جدید ٹیکنالوجی نے آرام و آسائش کے لئے جو سہولتیں فراہم کی تھیں، ان کے دیرپا نتائج سامنے آ رہے ہیں، جو انتہائی مہلک ثابت ہو رہے ہیں، حتیٰ کہ سایہ شاخ گل رفعی نظر آنے لگا ہے، PORRY COMMONER. بیری کامنر جو واشنگٹن یونیورسٹی میں ۱۹۷۱ء میں علم حیات کے پروفیسر تھے ان کا ایک بہت ہی بصیرت افروز اور مدلل مضمون[1] SPAN کے مئی ۱۹۷۱ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا اس سے چند حقائق یہاں نقل کر رہا ہوں،

قرآن کی رو سے تخلیق کا عمل صرف خدا کی ذات ہی تک محدود نہیں ہے بلکہ اور بھی خالق ہو سکتے ہیں اسی لئے اللہ تعالیٰ نے خود کو سب سے بہتر خالق کہا ہے اور اس کے ثبوت میں تخلیق حیات اور تخلیق انسانی کا وہ طریقہ بیان کیا ہے جو اس کا اپنا طریقہ ہے کسی کی نقالی نہیں ہے، اس کی ایک صفت جس میں کوئی شریک نہیں ہو سکتا وہ قادر مطلق کی صفت ہے وہی بہترین قدریں مقرر کرنے والا ہے پوری کائنات میں اس کا سب سے بڑا عظیم کارنامہ اشیاء کی قدریں مقرر کرنا ہے ان قدروں کو اگر ہم بگاڑ دیں تو خود ہماری صورتیں مسخ ہو جائیں گی قرآن میں رب العلمین کی اس صفت کا متعدد بار ذکر آیا ہے، پروفیسر بیری کامنر نے اپنے مضمون میں انہیں حماقتوں کے ثبوت فراہم کئے ہیں جو ہم نے قادر مطلق کی مقرر کردہ قدروں کو توڑ کر اس سے بہتر خالق بننے کی کوشش میں کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ

1- THE MYEH OF OMNIPOTENCE SPAN - MAY 1971.

بموں کے دھماکوں سے قبل ہم کو ریڈی ایشن ، RADIATION اشعاع سے پہنچنے والے نقصانات کا نہ تو کوئی علم تھا اور نہ اندازہ ، اب جبکہ اس کے وافر نقصانات ہم تک پہنچ چکے ہیں تو ہم کو یہ معلوم ہوا کہ ریڈی ایشن کے نقصانات کتنے دور رس ہوتے ہیں ، ہم نے پختہ سڑکوں کا جال بچھا کر ان پر لاکھوں کی تعداد میں پٹرول اور ڈیزل سے چلنے والی گاڑیاں دوڑا کر وقت کی تیز رفتاری حاصل کرنے کی کوشش کی نتیجہ یہ ہوا کہ ان موٹروں سے نکلنے والے دھوئیں اور سورج کی روشنی کے باہم امتزاج یا ردعمل سے ، SMAG بن گیا جو انسانی اعضائے رئیسہ کے لیے زہر قاتل ثابت ہوا ، برقی قوت حاصل کرنے کی غرض سے جلائے گئے ایندھن کا دھواں اور فضا میں اڑنے والے دیو ہیکل طیاروں کی پرواز سے پیدا ہونے والے ردعمل سے زمین کی سطح پر حرارت کا توازن بگڑتا جا رہا ہے اور اس سے متعلق صحیح معلومات حاصل کرنے کے ذرائع ابھی ناپید ہیں ، اس حرارت کے غیر متوازن ہونے کا ممکن نتیجہ یا تو ایک تباہ کن سیلاب ہوگا یا پھر ایک نیا برفانی دور شروع ہو سکتا ہے جو ہر شئی کیلئے پیغام فنا ہوگا کارخانوں سے خارج شدہ فضلے دریاؤں اور سمندروں کے سپرد کئے جا رہے ہیں یہ مادے پانی کی حیاتیاتی قوت کو ختم کر کے اسے مہلک بنائے جا رہے ہیں ، اگر یہ سلسلہ جاری رہا تو ہوا اور پانی جس پر زندگی کا مدار ہے وہی ہماری ہلاکت کا سامان بن جائیں گے ، کسی چیز کے توازن کا بگاڑ دینا بہت آسان ہے لیکن اسے مقرر کرنا یا برقرار رکھنا ایک کار عظیم ہے ، صرف کسی چیز کا پیدا کر دینا ہی بڑی بات نہیں ہے اصل چیز اس کے توازن کو برقرار رکھنا ہے ، ورنہ تخلیق جادوگری کے مترادف ہے اور خدا جادوگر نہیں ہے وہ صرف پیدا ہی نہیں کرتا بلکہ اپنی مخلوق کو درجہ بدرجہ پایۂ تکمیل تک لے جاتا ہے ، اور اسے سنوار کر ایک مناسب اور متوازن صورت اور حالت پر برقرار رکھنے کی پوری ذمہ داری لیتا ہے ، مندرجہ ذیل قرآنی آیات میں اس ذمہ داری کا واضح اعلان موجود ہے ،

وَأَنْشَأْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ (۱) اور ہم نے زمین میں ہر چیز کو موزونیت

رکھنے والی اکائی کی دینی موقع و محل کیفیت وکمیت کے لحاظ سے مناسب اور خوب صورت پیدا کیا)

وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ فَقَدَّرَهُ تَقْدِيرًا ۝
(۲) اس نے ہر شئی کو پیدا کیا پھر اس کی قدریں مقرر کر دیں،

۴۹ : ۵۴
إِنَّا كُلَّ شَيْءٍ خَلَقْنَاهُ بِقَدَرٍ ۝
(۳) ہم نے ہر شئی کو ایک خاص قدر کے ساتھ پیدا کیا،

۴۹ : ۵۴
صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ
(۴) یہ اللہ کی کاریگری ہے کہ اس نے ہر چیز میں اتقان پیدا کیا،

۸۸ : ۲۷

قدریں چونکہ دو طرح کی ہوتی ہیں ایک خارجی دوسری داخلی یا باطنی لہٰذا قرآن نے ان دونوں کے لئے الگ الفاظ استعمال کیے ہیں خارج کو تسویہ کہا ہے اور داخلی کو تعدیل کا نام دیا ہے،

الَّذِي خَلَقَكَ فَسَوَّاكَ فَعَدَلَكَ فِي أَيِّ صُورَةٍ مَّا شَاءَ رَكَّبَكَ
اس نے تیری تخلیق کی پھر تجھ میں تناسب و ہم آہنگی بحد کمال پیدا کر دی پھر ان میں اعتدال پیدا کر دیا اس کے بعد جس صورت میں چاہا تیری تشکیل کر دی،

۸۲ : ۷۔۶

قدر اور توازن کی ابدی اہمیت کا اعتراف کیے بغیر سطح زمین، فضا یا خلا کہیں بھی ٹھہرنا ممکن نہیں پروفیسر کامنر کا پورا مضمون اس کی اہمیت کا معترف ہے اور اس سے چشم پوشی کرنے والوں کے لئے ان کی طرف سے تباہی اور ہلاکت کی یقینی پیشین گوئیاں موجود ہیں۔ اشیاء کی تقدیر پر پہلے یقین تھا اب وہ یقین علم بن گیا ہے یقین کو اب اس سے آگے بڑھنا ہوگا یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اگر اب کوئی مذکورہ آیات کی تفسیر لکھنے بیٹھا اور تقدیر کے مفہوم

کو سائنس اور ٹیکنالوجی کے ذریعہ حاصل کئے گئے نتائج سے جن کا ذکر پروفیسر کامنر کے مضمون میں آچکا ہے، واضح کرنے کی کوشش کرے تو اسے دانش فروش کیوں کہا جائے۔

ڈارون کے نظریۂ ارتقار کی جسمانی تلخیص یہاں موجود ہے۔ زمین پر اگر حیات کے ان ارتقائی منازل کو آپ دیکھنا چاہیں تو علم حیات کی کسی ابتدائی کتاب میں آپ کو حیوانات کی وہ تصویریں مل جائیں گی جو زمین پر حیات کے وجود میں آنے سے لیکر اب تک پیدا ہوئے ہیں۔ یہ تلخیصِ ارتقارِ حیات کتنا بڑا کارنامہ ہے اس کا اندازہ ان معلومات سے ہو سکتا ہے جو ماہرین حیاتیات اور ماہرین ارضیات کی انتھک محنتوں کے نتیجہ میں حاصل ہوئی ہیں۔ ذیل میں ہم زمین پر ارتقار کی منزلوں کو ان مدتوں کے ساتھ نقل کر رہے ہیں جس کا موازنہ شکم مادر میں حیاتِ انسانی کی ارتقائی منزلوں سے اگر کیا جائے تو وقت کی اضافیت LETA- - TuiTyoFTRiE کا ایک واضح تصور سامنے آسکتا ہے۔

زمین پر حیاتیات کا وجود،	۵۰۳ کروڑ سال
ملائم جسم والے حیوان،	۳۰۰ 〃 〃
جل تھل جاندار کی ابتدار،	۵۵ 〃 〃
ریڑھ کی ہڈی والے جاندار کی (ورٹیبریٹ) ابتدار	۵.۰ ۴۷، کروڑ سال
نچلے جبڑوں والی مچھلی	۴۳، ۴۲۰۵ 〃 〃
پھیپھڑے والی مچھلیاں	۴۰ 〃 〃
ہڈی والی مچھلیوں کی ابتدار اڑنے والے پتنگوں کی ابتدار	۳۵ 〃 〃
رینگنے والے حیوان کی ابتدار	۳۱ 〃 〃
حیوان لبونی کے مثل رینگنے والے جاندار کی ابتدار	۲۳ 〃 〃
حیوان لبونی کی ابتدار	۱۸ 〃 〃

(حاشیہ اگلے صفحہ پر)

یہ بات اب یقین سے علم کی حد میں آچکی ہے کہ آدمی تمام جانداروں میں سب اعلیٰ خصوصیات کا حامل ہے، بحیثیت مجموعی اس کا اشرف الحیوانات ہونا ثابت ہو چکا ہے سائنس اسے ابھی اشرف المخلوقات ماننے کو تیار نہیں ہے اس لئے کہ اسے تمام مخلوقات کا علم نہیں ہے، عقل یہ کہتی ہے کہ جب انسان اشرف الحیوانات ہے لہٰذا اسے جہان اصغر مان لینے میں کیا نقصان ہے۔ میں نے اگلے صفحات پر اسی غرض سے جہان اکبر، جہان اصغر کے ارتقائی دور کی زمانی اضافت کا اعداد و شمار کی مدد سے ایک خاکہ پیش کیا ہے، سورۃ المومنون ۱۲ تا ۱۴ آیتوں کو پڑھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم نے ہر ارتقائی منزل کو ایک خاص طرح کی مخلوق کا مکمل ارتقائی دور کہا ہے، اس اعتبار سے ہر ارتقائی دور کی ایک مخلوق کا جہانِ اکبر میں MAER - OLOSM - وجود ہونا چاہیے، اس خیال کے تحت میں نے حیاتیات کی مختلف کتابوں کا مطالعہ کیا پروفیسر شمر کی کتاب[1] میں علم الوجود کے عنوان کی عبارتوں میں ان کے ان جملوں سے میرے خیال کی تصدیق ہوگئی، اور وہ گمان جو مذہب کے زبان میں یقین کہلاتا ہے علم بن گیا،

EVERY ANIMAL BEGANS. ITSLIFE AS AN ORGA-
-NISE COUSISTING OE A SINGLE SELL SOME
THE POOTOZOA REMAIN. THROUGHOUT THAIR
ENTRE LIVES AS INDEPENDENT CELL OR

1- LOWR OE NOTURE ASE SHOTHAMD STATEMOUTS
FOR THE ALER OF THETS OR OF MAN PEREE-
PTHISNS HUTEHISOR. بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۲ پر

COLONIE OE CELL - IN SUCH LOWLY FORM AS THE CELENTRETS (CORAL JELLY FISH) WHICH REMAIN THROUGHOUT THEIRLIVE IN THE GASTRULA STAGE THE DIGESTIVE CARITY LONTINUES TO BE LARGE AND CUP SHAPED.

تمام حیوانات اپنی زندگی کی ابتدا ایک خلیہ سے کرتے ہیں اور ان کی ابتدائی ہیئت جسمانی صرف خلیہ ہی ہوتا ہے، بعض حیوانات ابتدائی اپنی تمام عمر ایک آزاد خلیہ یا خلیوں کی کالونی کی صورت میں باقی رہتے ہیں، ..... بعض اس کے بعد کی ارتقائی ہیئت میں مثلاً صرف معدہ رکھنے والے حیوانات کی صورت میں جیسے کورل جیلی فش وغیرہ تاحیات باقی رہتے ہیں اور ان کے معدہ بڑھتے رہتے ہیں اور پیالہ نما ہوجاتے ہیں،

اسکے بعد پھر علقہ اور مضغہ والی آیتوں کو بغور پڑھ کر دیکھیے تو ان آیتوں میں جن ارتقائی مدارج کے لیے لفظ خَلَقَ استعمال کیا گیا ہے ان مدارج کی مخلوق جیسا کہ میرا گمان تھا اور جس کے لیے میں نے مندرجہ بالا عبارت نقل کی ہے اس سے واضح ہوتا ہے کہ قرآن میں تفکر و تدبر کی ہدایات پر دیانتداری سے عمل کیا جائے تو گنجینہ ہائے معنی کا سراغ ملتا ہے،

زیر بحث آیات میں آخر سے قبل والی آیات پر اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ کے مفسرین نے اپنی اپنی فہم و بصیرت کے مطابق معنی بیان کیے ہیں، بعض نے اس سے جنم دینا مراد لیا ہے بعض نے ذی روح بنا دینے کا مفہوم لیا ہے مولوی محمد علی صاحب اس سے انسان کا اخلاقی صفت سے متصف کیا جانا مراد لیتے ہیں، مولانا ابو الاعلیٰ مودودی

1- H.W. SHIMER ELOULIOR AUD MAN. (N.Y)

اور مولانا عبدالماجد دریابادی نے اس پوری آیت کی کوئی تفسیر نہیں کی مولانا مودودی نے تو یہ لکھا ہے کہ یہاں صرف ان ارتقائی منازل کا ذکر کیا گیا ہے جو اسقاط حمل سے عام مشاہدہ میں آچکے تھے۔ ان کے اس جملہ کو پڑھ کر حیرت کے ساتھ بہت افسوس ہوا، مولانا عبدالماجد دریابادی نے لکھا ہے کہ اس کی تفصیل طب کی قدیم کتابوں میں موجود ہے۔ مولانا آزاد اور سید قطب شہید کے علاوہ کسی نے ان آیات پر غور نہیں کیا یا اگر کیا تو اسے لکھنے سے گریز کیا ہے۔ اور غالباً انہیں یہ اندیشہ رہا ہو کہ اس پر تفصیل سے گفتگو کرنے سے قرآن کی هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ والی حیثیت پر حرف آتا ہے۔

سید قطب الدین شہید علیہ الرحمہ فرماتے ہیں علمی نظریات تو تخلیق اور تدریج کا متعین علم حاصل کرنے کی کوشش میں ہے تاکہ مٹی اور انسان کے درمیانی سلسلہ کی کڑیوں کو ملا سکیں، لیکن اپنی اس کوشش میں وہ غلطی بھی کرتے ہیں اور کامیاب بھی ہوتے ہیں، ان کی تفصیلات سے قرآن خاموش ہے اس سلسلہ میں "تسلسل" یعنی ارتقار، ایک ٹھوس حقیقت ہے جو قرآن سے ثابت ہے (۱)، انہوں نے ان آیات کی تسلی بخش تفسیر کی ہے اس دور کے تقاضوں کو انہوں نے قابل توجہ تسلیم کیا ہے،

قرآن کریم میں انسان کی پیدائش اور اس کے نمو و بروز کی منازل کا مختلف جگہ ذکر ملتا ہے لیکن یہاں پر چونکہ فن تخلیق کا موازنہ کیا گیا ہے اس لئے جس طرح منزل بمنزل اس کے تسویہ اور تعدیل کا ذکر کیا گیا ہے ایسا جامع ذکر قرآن میں اور کہیں نہیں ملتا، انسان کی تخلیق کو احسن الخالقین نے اپنے فن کا معیار بنا کر پیش کیا ہے (۲)، اس اعتبار سے انسان کا موقر ہونا ثابت ہوتا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل میں وقار بنی آدم کا ان الفاظ میں ذکر آیا ہے۔

---

(۱) فی ظلال القرآن۔ مصنفہ سید قطب الدین شہید رح

(۲) تاریخ جمالیات (جلد اوّل) مصنفہ نصیر احمد ناصر (لاہور، پاکستان)

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ۝ (القرآن)

ہم نے بنی آدم کو عزت دی ہے خشکی اور تری میں، اور ہم نے ان کو نفیس چیزیں عطا کیں، اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فضیلت دی ہے۔

اس طرح کے واضح بیانات کے مقابلہ میں اگر کوئی نظریہ یا فلسفہ یہ کہے کہ آدمی بالکل بے معنی مخلوق ہے یا اس میں اور ایک پتنگے میں کوئی فرق نہیں ہے تو یقیناً وہاں ہم قرآن کے قول کو ہی صحیح تسلیم کریں گے۔ ایسے بیانات میں تفسیری تاویل کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لئے کہ اس میں ابہام کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔

فلکیات کے میدان میں اولادِ آدم نے جو کمالات حاصل کئے ہیں اب اگر اس کی تائید یا اس کا ذکر قرآن حکیم میں کوئی ڈھونڈھے تو یقیناً ہم اسے سعی جہل کہیں گے، لیکن نجوم و کواکب سے متعلق بنیادی حقائق جن کا ذکر قرآن میں بہت واضح طور پر آیا ہے موجودہ علوم کی روشنی میں ان کے معنی سمجھنے کی کوشش کرنا قطعی طور پر لایعنی عمل نہیں کہلائے گا۔ ماہرین طبعیات نے وثوق کے ساتھ مان لیا ہے کہ اگر سورج تاریک ہو جائے گا تو زمین پر حیات ختم ہو جائے گی۔ اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ کی بات اب زیادہ اچھی طرح سمجھ میں آتی ہے۔ کواکب سے متعلق یہ تحقیق ہو چکی ہے کہ وہ ایک نظامِ کشش کی وجہ سے ایک نامعلوم مدت سے اپنے مدار پر گھوم رہے ہیں جیسے ہی اس نظام میں کوئی نقص آیا یہ کواکب گر پڑیں گے۔ اس علم کے ساتھ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ کی حقیقت پر غور کیجئے وَالشَّمْسُ تَجْرِيْ لِمُسْتَقَرٍّ لَّهَا کی بات کیسے معلوم تھی؟ دنیا تو الارض تجری لمستقر لہا جانتی تھی۔